جدید اردو شاعری کے فکری و موضوعاتی رجحانات

طارق محمود / ڈاکٹر رابعہ سرفراز

Abstract:

Like others literature poetry has an important place in Urdu literature. Urdu poetry has wide range and specially the topics of modern Urdu poetry is presented the society. Because literature presents national life. It is the best way to spread the culture & socialism. Life is the mixture of emotion sensation, qualities and attitudes. It is necessary to educate them for the betterment of society. Social stability is depend on the behavior of people. Patience , hospitality, sacrifice and kindness are the best social values. Poetry is best way of their publicity. Urdu poetry has an important role in the publicity of civilization. Urdu poets has an important roles in the set up of new thinking and trends. It has tried to explain their struggles.

جدید اردو شاعری کی اصطلاح نئی فکر اور مختلف النوع موضوعات کے سبب منظر عام پر آئی۔ ورڈزورتھ نے شاعری کو قومی جذبات کے چھلک جانے کا نام دیا ہے اور اس بات میں وزن بھی ہے۔ کیونکہ روز مرہ زندگی کا مشاہدہ بھی اس بات کی غماضی کرتا ہے کہ جو جذبات واحساسات شعر کی صورت میں ادا کیے جائیں وہ نہایت مختصر اور جامع ہوتے ہیں اور پُرتاثیر ہوتے ہیں۔ دنیا کی دوسری زبانوں کی طرح اردو زبان ادب میں شاعری کو اولیت حاصل ہے۔ شاعری کی زبان نثر سے الگ و منفرد ہوتی ہے۔ یہ عام فہم اور سادہ ہوتی ہے اور ہر خاص و عام کے ذہنی معیار کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کا دامن بہت وسیع ہوتا ہے اور دنیا و جہان کے تمام افکار و نظریات کو اپنے اندر سمو سکتی ہے اور جذبات واحساسات کی ترجمانی کر سکتی ہے۔ اردو زبان وادب پر طائرانہ نظر ڈالیں تو شاعری کو فوقیت حاصل ہے۔ اب سوال ہے کہ قدیم اور جدید کا تعین کس طرح کریں؟ ہر آنے والا لمحہ گزرے لمحے کے لیے جدید کی حیثیت رکھتا

ہے۔۱۸۵۷ء سے شروع جدید اردو شاعری کا سفر اپنی نوعیت اور ہیئت کے ساتھ ساتھ مختلف النوع مضامین کی بدولت جاری وساری ہے۔

فرد کا ذہن معاشرے سے اثرات قبول کرتا ہے اور انسانی ذہنوں کی تربیت جدید شاعری کی بنیادی فکر بھی ہے۔آج کے شاعر کو اس بات کا ادراک ہو چکا ہے کہ معاشرہ کی اصلاح میں اُس نے اپنا کردار ادا کرنا ہے۔خوشبو کی ہجرت (ایک مکالمہ) میں شیخ صلاح الدین اس کی ذکر اس طرح کرتے ہیں وہ کہتے ہیں:

"کسی فرد کا ذہن اپنی تہذیب کے رد عمل سے پیدا ہونے والے احساسات خیالات اور جذبات سے ترتیب پاتا ہے۔"(۱)

جدید اردو شاعری نے معاشرتی رویوں کی عکاسی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور معاشرہ میں مختلف النوع طباع کے لوگ بستے ہیں، یہی طباع معاشرتی رویوں کی تشکیل میں نظر آتی ہیں۔جدید اردو شاعری میں غزل نے اپنے دامن کو وسعت اور گہرائی دی اور ہر قسم کے مضامین کو بیان کرنے کی سکت وطاقت حاصل کی۔"سفر نئی روشنی کا" حفیظ شاہد کا مجموعہ ہے، اس کے مقدمہ میں ڈاکٹر عبادت بریلوی نے غزل کے انہی اوصاف کا ذکر کیا ہے جو جدید غزل میں پائے جاتے ہیں۔اس کے ذریعے غزل ہی نہیں بلکہ جدید اردو شاعری کے فکری رجحانات کے تعین میں مدد ملے گی کیونکہ شاعری بھی انسان کے ساتھ ساتھ اپنے فکری رجحانات ومیلانات میں تبدیلی لاتی ہے۔

صنف نازک جو دنیا کی ساری رونق کا محور ومرکز ہیں جب اُس کی زبان سے خود اس کی کہانی بیان ہوتی ہے۔تو اُس وقت اس کی تاثیر سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔۱۹۴۷ء سے قبل کے ادب میں اظہار کرنا اتنا پسندیدہ نہیں تھا۔لیکن قیام پاکستان کے بعد اس میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ادا جعفری، زہرہ جبیں، مفتی شکیل، شبنم شکیل، پروین شاکر، نوشی گیلانی، فاطمہ حسن، شائستہ حبیب، شاہدہ صدف، ماہ طلعت زیدی، کشور ناہید، شاہدہ حسن، پروین فنا سید اور منصورہ احمد جیسی روشن خیال شامل ہیں۔

جب حوا کی بیٹی کے جذبات واحساسات کی ترجمانی اُس ہم جنس کرے گی تو اُس وقت وہ آواز پر تاثیر اور مسحور کن ہو گی لیکن ایک بات ذہن میں رہے کہ بیسویں صدی کی عورت کوئی موم کی گڑیا نہیں جو کھلونے سے دل بہلانے والی ہو۔بلکہ یہ عزم واستقلال کی پیکر جس کے حوصلے ہمالیہ سے بلند اور خیالات دجلہ وفرات کے پاک وشفاف ہیں اور وہ زندگی کے ہر محاذ پر اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنے والی اور اُن سے عہدہ براہ ہونے والی، وہ جدید تقاضوں کے مطابق نرم ونازک اور لطیف خیالات کو اعلیٰ معنوی وسعت کے ساتھ بیان کرنے کی صلاحیت سے مالا مال

ہے۔اُس کو معاشرتی و تہذیبی اقدار کی ترتیب کرنا بھی آتی ہے اور اُن کی تربیت کرنا بھی آتی ہے، وہ فکر و خیال کی ترسیل کا سب سے بہترین ذریعہ ہے، اور وہ معاشرتی تعمیر کی پہلی درس گاہ بھی ہے، اُس سے زیادہ زندگی کے حقائق سے کوئی واقف ہو ہی نہیں سکتا اور فرد کی ضروریات کو بھی بہتر طور پر سمجھ سکتی ہے یہ جدید اردو شاعری ہے۔ جس کا دامن صنف نازک نے فکر و خیال اور اسالیب سے روشن اور منور کر دیا ہے۔ڈاکٹر رشید امجد نے اپنے مقالے ''پاکستان کی اردو شاعرات ''میں اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''ان کے فکر و اظہار سوچ اور بیان کے درمیان پوری یگانگت ہے اور اپنے جذبوں کے اظہار میں یہ کھری اور سچی ہیں۔انھوں نے گھر آنگن سے متعلق لطیف اور نازک جذبوں خوشیوں اور دکھوں کو موضوع بنانے کے علاوہ اپنے حصار کے باہر زندگی کا بھی مشاہدہ کرنے کی سعی کی ہے۔''(۲)

انیسویں صدی کے آغاز سے اکیسویں صدی کے آغاز تک کے زمانہ کا طائرانہ جائزہ لیں تو دنیا پر اضطراب و بے چینی، داخلی و خارجی انتشار، فرد اکلاپے کا شکار، چھوٹی بڑی تحریکوں کی شکل میں انسان جدوجہد کرتا ہوا۔ معاشرتی شکست وریخت، تہذیبی و ثقافتی انتشار، مادیت پرستی کو فروغ، روحانیت و تصوف سے بیزاری، انفرادی اور اجتماعی طور پر ہر طرف ڈیرے جمائے نظر آتی ہے۔ایسے میں انسان سکون اور تسکین کے لیے چھوٹے بڑے بہانے تلاش کرتا ہے اس کے علاوہ انسان کا میڈیا پر بہت زیادہ انحصار بھی اُس کے مسائل میں کمی کی بجائے اضافے کا باعث بن رہا ہے۔انسان کی ایثار و قربانی والی خوبیاں خود غرضی اور انا پرستی میں تبدیل ہو رہی ہیں۔ جدید اُردو شاعری میں اتنی وسعت اور گہرائی ہے جو تمام معاشرتی پہلوؤں کو بیان کرنے کی سکت رکھتی ہے۔ فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، ناصر کاظمی، امجد اسلام امجد، محسن بھوپالی، پروین شاکر، جون ایلیا، فہمیدہ ریاض، احمد فراز، نوشی گیلانی اور محسن نقوی نے سیاسی، معاشی، معاشرتی، سماجی اور ثقافتی موضوعات کو حالات کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے جدید اردو شاعری میں موضوع سخن بنایا ہے۔

اکیسویں صدی کی آمد ہے اور بیسویں صدی رخصت ہو رہی ہے۔ نئی اقدار کروٹ لے رہی ہیں اور نئی فکر معاشرہ میں پنپ رہی ہے۔ رویہ جات میں واضح تبدیلی نظر آ رہی ہے اور جذبات و احساسات کی جہات کا تعین نئے سرے سے کیا جا رہا ہے۔ محبت و نفرت، قربت، دوری، غمی و خوشی اور دوستی و دشمنی کے معیارات میں تبدیلی آ چکی ہے اور گزرتے لمحوں میں ان پر دھندلاہٹ پڑتی جا رہی ہے۔اسی طرح رشتے الجھاؤ کا شکار ہوتے جا رہے ہیں اور کسی

وقت ان کے تقدس کو اوّلیت دی جاتی تھی۔اب وقت کے ساتھ مضبوطی میں کمی ہو رہی ہے جس کی وجہ خلوص کی کمی ہے۔اب صرف مالی منافعت کو ترجیح دی جاتی ہے۔

پاکستان کا وجود ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کی علامت ہے اور عدل و مساوات کی پکار ہے۔اپنے حق کی خاطر جان قربان کرنے کا نام ہے اور ان افکار و نظریات کی جھلک ہماری ثقافتی اقدار میں واضح نظر آتی ہے۔ایسی ایک آواز حبیب جالب کی ہے:

جھونپڑی صدیوں کی ناانصافیوں کا ہے نشاں
ہم رہیں گے یار ہے گا ظلم۔۔۔زیر آسماں
چل پڑا ہے صبح کی جانب ہمارا کارواں
سامنے ٹھہریں گے کیا ایوانِ شب کے پاسباں(۳)

حبیب جالب غربت اور امارت کے درمیان پائی جانے والی خلیج کو موضوعِ سخن بنا رہے ہیں۔یہ پاکستان کے ابتدائی سالوں کی داستان ہے اور ان دنوں کے شعری موضوعات میں سے ہے۔اس وقت کی غزل اور دیگر اصناف میں مستعمل تشبیہات و استعارات میں زندگی اپنے حقیقی مشاہدات کے ساتھ موجود ہے۔دستار عزت و وقار کی ایک ایسا ہی استعارہ ہے جو ریت و روایت کو زندہ رکھنے کا عندیہ ہے۔اس کی ایک جھلک محشر بدایونی کے الفاظ میں:

میں روایت کا تقدس نہ بکھرنے دوں گا
جب تک اک تارِ سلامت مری دستار کا ہے(۴)

دستار یا پگ عزت و احترام کی نمائندہ ہے۔پاکستانی معاشرہ میں اس کی حفاظت کو فرض اولین سمجھا جاتا ہے اور اس کو مجروح ہونے سے بچایا جاتا ہے۔اس ثقافتی عنصر کی موجودگی آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی موجود ہے۔پاکستانی تہذیب و تمدن میں رشتوں کے تقدس کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔رشتے مضبوط معاشرت کی کلید ہوتے ہیں اور یہ پیار و محبت اور اس کی ڈور سے بندھے ہوتے ہیں۔ان کی عظمت کسی دور میں ماند نہیں پڑی اور اسی اہمیت کے پیش نظر اکیسویں صدی میں شاعری کا موضوع سخن ہے۔معبود اور ماں دو ایسے تعلق ہیں جو پاکستانی تہذیب و ثقافت کے ترجمان ہیں۔اول الذکر دینی و اسلامی اور مؤخر الذکر خونی و نسبی رشتہ ہے۔معبود کو اپنی مخلوق اور ماں کو اولاد سے غیر مشروط محبت ہے۔معبود کی رضا اور خوشنودی زندگی کا مقصد اور اسی طرح ماں کی خوشنودی اللہ کی رضا حاصل

کرنے کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تمام رشتوں میں سے اس کو زیادہ فوقیت دیتا ہے اور ماں کی خدمت کا حکم بڑی تاکید کے ساتھ ہے۔ شاعری میں دینی و معاشرتی موضوعات کے ساتھ جمالیاتی پہلو سے چشم پوشی نہیں کی گئی ہے۔

پاکستانی شاعری کے موضوعات سیاسی، معاشی، اخلاقی، جذباتی تمدنی تہذیبی اور معاشرتی نوعیت کے ہیں۔ دولت اور سازشوں کے بل بوتے پر بدلتے رویوں کو احمد مسعود یوں بیان کرتے ہیں:

کون کرتا ہے دھماکے مسجدوں میں دوستو
کوئی ایسا بیچتا ایمان پہلے تو نہ تھا(۵)

شاعر کی بالغ نظری اور معاشرتی شعور اجاگر ہو رہا ہے او وہ ایمان جیسی انمول چیز کو موضوعِ سخن بناتے ہیں۔ اس کو حالات حاضرہ سے مربوط کرتے ہیں۔ مسجد پاکستانی ثقافت کی علمبردار ہے۔ مسلمان اس کے تقدس کو پامال کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ اخوت بھائی چارہ محبت تحمل، برداشت رواداری، عدل، احسان، صبر اور ایثار و قربانی پاکستانی معاشرے کے خواص ہیں۔ یہ ثقافتی اقدار پر امن اور مساوات پر مبنی معاشرے کے فروغ میں معاون و مددگار ہیں۔ عالمی سطح پر مسلمانوں کے پر امن تشخص کو داغدار کرنے کے لیے دشمن عناصر دہشت گردی اور تخریبی کارروائیوں کے ذریعے ملک میں افراتفری پھیلا رہے ہیں۔ احمد مسعود کی زیرک بینی نے اسے شعر کی صورت میں اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ کسی بھی مذہب کے پیروکار مذہبی مقامات کو تخریب کا شانہ نہیں بناتے۔ بلکہ ان کو مقدس سمجھ کر ان کا احترام کیا جاتا ہے۔ انہوں نے پاکستانی عوام کو درپیش مسائل کی نشاندہی کی ہے۔ جس قوم کے قلمکار اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہیں وہ قوم ہمیشہ سرخرو ہوتی ہے۔ جلیل عالی زندہ قوم کی ترجمانی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"وہ جب بھی منشور تھا ہمارا
وہ اب بھی منشور ہے ہمارا
ہمارے رستوں میں جب بھی دشمن
گھاؤنے سازشی اندھیرے بچھا رہا ہے
عدو کو شاید خبر نہیں ہے
کہ اپنی صبح انا کا سورج
اسی طرح جگمگا رہا ہے"(۶)

باہمت اور باحوصلہ قومیں اپنے زندہ ہونے کا ثبوت اپنی ثقافت کی حفاظت سے دیتی ہیں۔ جلیل عالی پاکستانی معاشرہ کی زندہ دلی کو موضوع سخن بناتے ہیں۔ مستقل مزاجی اور ثابت قدمی ہماری ثقافتی ریت ہیں اور وہ اس کا اظہار بڑے مدلل طریقے سے کر رہے ہیں۔ بااصول اور باکردار قومیں دشمن کے وار ہوش و حواس اور تدبر سے برداشت کرتی ہیں اور اپنی غیرت پر حرف نہیں آنے دیتی۔ خودداری ہمارا قومی ثقافتی ورثہ ہے جس پر کسی طور پر سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ پاکستانی شاعری نے زندگی اور کائنات سے متعلقہ جملہ اوصاف اور اقدار کو اپنے عنوانات اور موضوعات میں زیر بحث رکھا ہے۔ جلیل عالی اس کی واضح مثال ہیں۔ وہ تمام اعلیٰ اخلاقی اوصاف کا ذکر مدلل انداز میں کرتے ہیں۔ جس سے پاکستانی شاعری کے رویہ جات اور رجحانات سے آگاہی ملتی ہے۔ جدید اور سائنسی علوم کی افادیت کے پیش نظر جدید ایجادات کو بطور تشبیہات اور استعارات پیش کرتے ہیں۔ ایوب خاور کی نظم ہیلو مین سے اس کا نمونہ ملاحظہ کرتے ہیں:

"لیکن اے جانِ جہاں کیوں خاموشی ہے
کیوں یہ دھڑکن سینۂ خالی کی محرابوں میں
ٹیلی فون کی گھنٹی کی صورت تھم گئی ہے

جاناں! کہ سینے میں کہیں اٹکی ہوئی دھڑکن
چلے گھنٹی بجے، پھر دیر تک اور دور تک
سرگوشیوں میں شبنم و کوشبو میں تر ساون گرے"(۷)

شاعر بڑی خوبصورتی سے منظر نگاری کر رہا ہے۔ ہماری معاشرت ٹیلی فون اور جس کی جدید شکل موبائل فون سے جڑی ہوئی ہے۔ اس کی گھنٹی کی آواز کے ساتھ ہمارے جذباتی و احساساتی نشیب و فراز سے منسلک ہیں۔ ماضی کے دریچوں میں جھانکیں تو لالٹین اپنی روشنی بکھیرتی نظر آتی ہے۔ پاکستانی تہذیب و معاشرت میں اس کو روشنی کی علامت تصور کیا جاتا ہے اور اندھیروں کا خاتمہ اور روشنی کو فروغ دیتی ہے۔ زندہ قومیں اپنی ثقافت کو فراموش نہیں کر سکتی اور اس کے فروغ میں ہر فرد اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ ادباء و شعرا اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں اور شہزادہ حسن لالٹین کے استعارہ سے پاکستانی ثقافت کو اجاگر کرتے ہیں:

"سورج کی کرنیں، مسجدوں کے گنبدوں پر آسمان سے باتیں

کرنے والے میناروں سے ٹکرا کر تمام آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھیں۔

جبہ و دستار پہنے، اجلے اجلے لوگ
ریش باصفا سے نور برساتے
وقار دیں سے اتراتے ہوئے
مسجد میں داخل ہو رہے تھے۔"(۸)

بیسویں صدی کے آخری دو عشرے افکار و نظریاتی فروغ میں بڑے اہم ہیں۔ انہوں نے انسان اور انسانیت کو ترجیحی بنیادوں پر موضوعات سخن میں سمانے کی انتھک کاوشیں کیں۔ انسان کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس عزت نفس کو مجروح ہونے سے بچاتے ہوئے اس سے ہمدردی اور تسکین بھرے جذبات کو فروغ دیا ہے۔ عیادت پرسی ایک دینی و معاشرتی قدر ہے۔ جس کا ثقافتی عناصر میں اہم مقام ہے۔ یہ معاشرتی استحکام اور بالادستی کی کلید ہے۔ اس کے ذریعے معاشرے میں امن و سکون کو فروغ ملتا ہے۔ کشادہ دلی اور وسعت نظر حاصل ہوتی ہے۔ روشن خیالی اور طرزِ کہن کے خلاف لڑنا اردو شاعری کی خوبی ہے اور پاکستانی معاشرت کی خصوصیت ہے۔ یہ ثقافت کا پر امید پہلو ہے جس کے ذریعے ثقافتی معیار کی پہچان ہے۔ اس کی جھلک ادا جعفری کی غزل میں دیکھتے ہیں:

مری آنکھ دیکھتی ہے نئے موسموں کے منظر
جو طلوع ہو رہے ہیں یہ سبھی ہیں خواب میرے
مری مامتا نے بانٹا ہے کرن کرن اجالا
مجھے کیا یقین آئے کہ ہیں چار سو اندھیرے(۹)

ادا جعفری کا معاشرتی شعور اور مشاہدہ ان کی ثقافتی دلچسپیوں کا غماض ہے۔ انہوں نے پورے انہماک اور ذمہ داری سے اس کی نمائندگی ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ جدت کی نمائندہ ہیں۔ وہ موسی تغیرات کو نئی فکر کے لیے بطور استعارہ استعمال کرتے ہیں اور ماں جیسے عظیم رشتے کو امید کی کرن اور یقین کی روشنی سے مزین کر کے پیش کرتی ہیں۔ وہ بذاتِ خود صنف نازک سے تعلق رکھتی ہیں اسی لیے ماں کی عظمت اور محبت ان سے بہتر طور پر سمجھنا مشکل ہے۔ ثقافت میں جذبات اور رویہ جات کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ اس لیے شعراء نے اس کی تربیت کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑی، انہوں نے تشبیہات، استعارات، تراکیب، تلمیحات اور دوسری ادبی اصطلاحات کا بھرپور استعمال کیا ہے۔ ماں کو تربیت کی اولین درس گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ادا جعفری معاشرتی استحکام میں ماں کے کردار کو خراج تحسین پیش کرتی ہیں۔ یقین کا لبادہ انسان کو گمراہ ہونے سے اور شکست قبول کرنے سے روکتا ہے۔ یہ انسان کی

امید کو ختم نہیں ہونے دیتا۔ وہ ماں کو روشنی کا استعارہ بنا کر پیش کرتی ہیں اور مایوسی اور حالات کے نشیب و فراز سے بچاتی ہیں۔ ماں کی گود سے گھر، گرہستی کی تربیت شروع ہو جاتی ہے اور اس کی مشق بچے کھیل کھیل میں کرتے ہیں۔

یہ فہم و بصیرت اور ادراک کو نمو دینے میں مدد و معاون ہے۔ اسی طرح تہواروں سے بھی پورا انصاف کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اکیسویں صدی کی شعری روایت میں بھرپور توجہ دی جاتی ہے۔ اعجاز احمد کی نظم عید میں اس کی جھلک عیاں ہوتی ہے:

ہلال عید جب بھی آسمان پر جگمگاتا ہے
تو جتنے اہل دنیا ہیں وہ اپنی عید کرتے ہیں
مگر ہم کو بھلا کیا کام ہے ان دنیا والوں سے
ہماری عید تب ہو گی تمہاری دید جب ہو گی (۱۰)

عید بہت بڑا تہوار ہے۔ جس کو منانے کے لیے امیر و غریب اپنی بساط کے مطابق تیاری کرتے ہیں۔ اس کی پاکستانی ثقافت میں اہمیت کائنات میں سورج کی مانند ہے۔ وہ کائنات کی رونق کا مرکز ہے اور انسانی خواہشات کی بقا کا ضامن ہے۔ اس معلوم ہوتا ہے۔ پاکستانی شاعر اپنی ذمہ داریوں سے راہ فرار اختیار کرنے کی بجائے عہدہ برآہ ہونے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اعجاز احمد اعجاز نے اپنی خوشی کو محبوب کی آمد سے مشروط کر دیا ہے۔ یہ محبت کی انتہا ہے۔ جب یہ محبت باہمی رشتوں میں بٹتی ہے تو قربت کو فروغ ملتا ہے۔ انہیں جذبات کا اظہار نظر آ رہا ہے۔ عید ایسا موقع ہے جب دور و نزدیک سے تمام گھر والے واپس لوٹتے ہیں اور عید کی خوشیوں کو دو بالا کرتے ہیں۔ یہ معاشرتی، سماجی اور دینی ثقافتی، پہلو کو اجاگر کرتے ہیں اور اس کی اہمیت اجاگر کرتے ہیں۔ ایسے جذبات و احساسات کو جب شاعر کی زبان میں ادا کرتے ہیں تو پھر وہ قابل غور ہو جاتے ہیں اور پھر اس کے اثرات معاشرے میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ ذوق جمالیات اور فطرت نگاری، معاشرتی جہات کے تعین میں بڑے اہم ہیں۔ ان کے بغیر انسانی شخصیت نکھر کر پوری طرح سامنے نہیں آسکتی۔

موسموں کا زیست کے نشیب و فراز کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جذبات و احساسات کے اتار چڑھاؤ کا ان پر انحصار ہے۔ یہ ماحول اور آب و ہوا کو خوشبوؤں سے معطر کرتے ہیں۔ ماحول کو دھوپ و تپش سے جھلسا دینے کے ساتھ بہار کی مہک سے دلربائی بھی کرتے ہیں۔ خزاں کے ویران و اداس ماحول و آب و ہوا کو پھولوں کی کومل صورتوں سے مزین کر کے اس میں نکھار پیدا کرتے ہیں۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ موسموں کو ثقافت کی رنگینی سے

الگ نہیں کر سکتے۔ گجروں اور کلیوں کی مہک ان کے خیالات کو خوشگوار یادوں سے مزین کر رہی ہے۔ موسم اور معاشرے کی روشنی کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ روشنی بذات خود ثقافتی قدر ہے۔ اس کو مان تران اور دعویٰ کا رشتہ کہتے ہیں۔ اس کی اہمیت وافادیت خون کے رشتوں سے کم نہیں ہے۔ دوستی کا عکس قمر عدیل کے الفاظ میں:

وہ میرے دوست اور ان کی وہ باتیں یاد آتی ہیں
میرے دل پہ ہوئیں جو واردا تیں یاد آتی ہیں
کبھی تنہا ہنسانا جھومنا کینٹین پر جا کر
کبھی وہ پیار کی ساری ہی گھاتیں یاد آتی ہیں(۱۱)

قمر عدیل معاشرتی و ثقافتی فہم و فراست اور مشاہدہ و تجربہ رکھتے ہیں۔ وہ اپنی شاعری میں جذبات و احساسات کی ترجمانی اپنے خوبصورت الفاظ سے کرتے ہیں۔ ان کے انتخاب میں حکمت و دانائی سے کام لے کر ثقافتی عناصر کی قوس قزح بکھیرتے ہیں۔ خوشگوار زندگی کے لیے حسین یادوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ان سے بنجر زندگی میں شادابی و خوشحالی در آتی ہے۔ یادوں کی اوٹ سے دوستی کے پر خلوص رشتہ کو اجاگر کرتے ہیں یہ محبت ایثار قربانی اور ہمدردی کی بہترین مثال ہے۔ شاعر نے جتنی وضاحت کے ساتھ گزرے لمحوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ اس کے لگاؤ کا اظہار ہے۔ عزت احترام اور محبت کو پیش نظر رکھا جاتا ہے اور یہی اس کے تقاضوں میں شامل ہے۔ ثقافتی ترسیل میں ادب واحترام اور رویہ جات کو مرکزیت حاصل ہے اور ان کی تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اسی فکر کی غماضی قمر عدیل شاعری میں کرتے ہیں۔ افکار و نظریات کا پرچار ہماری شاعری کا طرۂ امتیاز ہے۔ پاکستانی معاشرے میں ہر افعال و اعمال کے پس پردہ توحید کا عقیدہ ہے۔ اس کو صوفی غلام مصطفی تبسم نے یوں کیا ہے:

اُس کو نہیں کوئی دیکھ سکتا
پر وہ تو ہر اک کو دیکھتا ہے(۱۲)

شاعر اللہ تعالیٰ وحدانیت خالق و مالک اور اوصاف حمیدہ کا اجمالی جائزہ پیش کر رہا ہے۔ وہ ذات پاک اکیلی ہے اور وحدہ لاشریک ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو نظر نہیں آتا ہے لیکن اس کی نظر اور نگرانی سے کوئی چیز ماورا نہیں ہے۔ اس کو کائنات کی نگرانی اور حفاظت سے کوئی تھکاوٹ نہیں ہوتی ہے۔ شاعر اپنی ذمہ داریوں سے باخبر ہیں انہیں اس بات کا احساس ہے کہ نئے اور جدید ذرائع مواصلات ثقافت کی ترسیل میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں شاعری کے موضوعات میں عادات اور رویہ جات کی تربیت کا اہتمام بھی ہے۔ اس کو منیر سیفی کے الفاظ میں عیاں کرتے ہیں:

مہمان آ گیا تھا کھانے کی میز پر

جلتا ہوا چراغ بجھانا پڑا مجھے (۱۳)

مہمان کی عزت و تکریم ہماری ثقافتی علامت ہے۔ اس کی خاطر مدارت ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی کے سبب اعلیٰ اخلاقی اوصاف ہماری تہذیب و ثقافت کے امتیازی وصف اور دنیا کے لیے روشن مینار ہیں۔ یہ شعر بذاتِ خود تلمیح ہے۔ جو آقائے دوجہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دور کا واقعہ کی یاد دلاتا ہے جس میں میزبان نے مہمان کی خاطر مدارت کرنے کے لیے کھانا کم ہونے کے سبب روشنی ختم کر دی تاکہ مہمان پیٹ بھر کھانا کھا سکے۔ پاکستانی شاعری کے مضامین اور عنوانات میں اسلامی تعلیمات کو مناسب اہمیت حاصل ہے۔ لوگوں کی تعلیم و تربیت اور کردار سازی کے مواقع پیدا کیے جاتے ہیں۔ غور و فکر اور فہم و تدبیر سے کام لینے عادت کو پختہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کی ایک مثال بشیر بدر کے الفاظ میں:

عبادتوں کی طرح میں یہ کام کرتا ہوں
مرا اصول ہے پہلے سلام کرتا ہوں (۱۴)

اُردو شاعری نے پاکستانی تہذیب و ثقافت کی ترسیل میں اپنا کردار مثبت انداز میں ادا کیا ہے اور اس کے جملہ پہلوئوں کو یکساں اہمیت دی ہے۔ اس کے عنوانات اور موضوعات میں بڑی وسعت اور گہرائی ہے اور وہ اس کی ترویج میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ بشیر بدر عبادت، کام اور اسلام کو یک جا مربوط انداز میں بیان کر رہے ہیں۔ عبادت انسانی روح کی غذا ہے۔ اس سے تعلق باللہ مضبوط ہوتا ہے اور شیطان کی گرفت کمزور پڑتی ہے۔ کام مسلمان کا زیور ہے اور اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ ہاتھ سے کام کرنے والے کو حبیب اللہ کا درجہ و مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ اسلام بہت اعلیٰ اخلاقی و دینی قدر ہے۔ مسلمان جب آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے کا استقبال السلام علیکم سے کرتے ہیں۔ شاعر اسلامی تعلیمات کی افادیت سے باخبر ہے، جو سلام میں پہل کرنے کو باعث رحمت و ثواب گردانتے ہیں۔ جو پہلے سلام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان پر گھٹا بن کر برستی ہے۔ سلام انسان کی انفرادی زندگی کو متاثر کیے بغیر اجتماعی زندگی گزارنے پر زور دیتا ہے۔ جس طرح پاکستانی تہذیب و معاشرت میں ذات پر اجتماعیت اور ذاتی مفاد پر قومی مفاد کو ترجیح دی جاتی ہے اس کو اردو شعراء نے پوری طرح نبھانے کی کوشش کی ہے اور ان موضوعات، عنوانات اور مضامین کو اپنا کر ملکی تہذیب و ثقافت کو فروغ دینے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

حوالہ جات:

(۱) نوازش علی، ڈاکٹر، پاکستان میں اُردو ادب کے پچاس سال، ص ۱۱۸

(۲) ناصر کاظمی، خشک چشمے کے کنارے، لاہور: فضل حق پبلشرز، جولائی ۱۹۹۰ء، ص ۲۱۳
(۳) حبیب جالب، عہدِ ستم، لاہور: پیپلز پبلشنگ ہاؤس، بار دوم، جولائی، ۱۹۷۱ء، ص: ۸
(۴) محشر بدایونی، غزل دریا، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، طبع اول، مارچ ۱۹۷۸ء، ص: ۳۳
(۵) احمد مسعود، روشنی ہے کہاں، لاہور: العصر پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص: ۱۴۲
(۶) جلیل عالی، شوقِ ستارہ، اسلام آباد: گور پبلشرز، باراول، ۱۹۹۸ء، ص: ۱۴۶
(۷) ایوب خاور، تمہیں جانے کی جلدی تھی، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، مارچ ۱۹۹۹ء، ص: ۶۲
(۸) شہزادہ حسن، املتاس کا پیڑ، فیصل آباد، ہم خیال پبلشرز، اپریل، ۲۰۰۱ء، ص ۶۳
(۹) ادا جعفری، حرفِ شناسائی، کراچی: مکتبہ دانیال، اشاعت اوّل جنوری، ۱۹۹۹ء
(۱۰) اعجاز احمد اعجاز، تیری یاد کے بعد، لاہور: ماورا، ۲۰۰۴ء، باراول، ص: ۸۷
(۱۱) قمر عدیل، برکھا رُت میں بھیگتی خواہش، لاہور: خزینہ علم وادب، اگست ۲۰۰۱ء، اشاعت دوم، ص: ۱۰۸
(۱۲) تبسم، غلام مصطفی، صوفی، دامن دل، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۶ء باراول، ص: ۵۰
(۱۳) منیر سیفی، لو، لاہور: مکتبہ خوش خیال، نومبر ۱۹۹۸ء، ص: ۶۶
(۱۴) بشیر بدر، آس، کراچی: ناصر پبلی کیشنز، س ن، ص: ۱۱